ضرورتیں ہیں، ملک وملت کی جو ضرورتیں ہیں، بلکہ عالمی سطح پر جو ضرورتیں ہیں، ان کے لیے کچھ افراد تیار کرسکیں، ان کو دینی رخ دے سکیں اور ان کے ذہنوں کو موڑ سکیں تو یہ بہت بڑی کام یابی ہوگی۔ ظاہر ہے کہ یہ ایک طویل عمل ہے اور اس کے نتائج کی فوری طور پر توقع بھی نہیں کی جاسکتی، بلکہ یوں کہا جاسکتا ہے کہ یہ ایک مثبت آغاز ہے۔ اگر کوشش جاری رہے تو راہیں کھل سکتی ہیں۔

لوگوں کی صلاحیتوں کو پہچاننا اور ان کو وہ رخ دینا جو مطلوب ہے، کوئی آسان کام نہیں ہے۔ جماعت اسلامی ہند نے اپنے قیام کے بعد ہی سے اس کی سعی کی ہے، اس کے نتیجے میں رام پور میں ثانوی درس گاہ کا قیام عمل میں آیا، جس میں جدید تعلیم یافتہ نوجوانوں کو علومِ دین سے آراستہ کرنے کی کوشش کی گئی۔ اس سے بعض نمایاں علمی شخصیتیں ابھریں۔ ادارۂ تحقیق وتصنیف اسلامی کا قیام بھی اسی مقصد سے ہے، جو ایک طویل عرصہ سے علمی خدمات انجام دے رہا ہے اور نئے افراد کو اس کے لیے تیار بھی کررہا ہے۔ اسی سلسلے کی ایک کڑی اسلامی اکیڈمی ہے، جو نئی نسل کو فکری لحاظ سے دین کی خدمت کے لیے تیار کررہی ہے۔ اب ہم Human Resource Development شعبہ کے ذریعہ افراد کی صلاحیتوں کو فروغ دینے اور علم وفکر کے مختلف میدانوں میں ان کی رہ نمائی اور تعاون کا کام کرنا چاہتے ہیں۔ اگر ہم اس میں کام یاب ہوئے تو توقع ہے کہ بہتر نتائج حاصل ہوں گے۔ اس کے لیے شعبہ کو غیر معمولی سعی کرنی ہوگی۔ اللہ تعالیٰ مدد فرمائے۔

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین۔

پاکستان میں سہ ماہی تحقیقاتِ اسلامی کے لیے رابطہ کریں:
جناب سجاد الٰہی صاحب، A-27، لوہا مارکیٹ، مال گودام روڈ، بادامی باغ، لاہور
Tel: 0300-4682752, (R)5863609, (0)7280916
Email: abdulhadi_133@yahoo.com

وقت کے ایک اہم اور زندہ موضوع پر قابلِ قدر تصنیف

غیر مسلموں سے تعلقات اور ان کے حقوق

مولانا سید جلال الدین عمری

مسلمانوں اور غیر مسلموں کے درمیان کیسے تعلقات ہونے چاہئیں ؟ یہ آج کا ایک اہم اور زندہ موضوع ہے۔ کیا اسلام اپنے ماننے والوں کے علاوہ دوسروں کو بنیادی انسانی حقوق سے محروم کر دیتا ہے؟ کیا اس میں مذہبی رواداری، تحمل و برداشت اور توسع نہیں پایا جاتا ہے؟ اسلام کے نزدیک غیر مسلموں سے خاندانی، معاشرتی، سماجی، کاروباری اور ازدواجی تعلقات کی نوعیت کیا ہے؟ غیر مسلموں کو سلام، مساجد میں ان کا داخلہ اور ان سے تحائف کے تبادلہ کا کیا حکم ہے؟ کیا مسلمانوں کے معاملات میں ان کی گواہی قبول کی جاسکتی ہے؟ اسلامی ریاست کی بنیادیں کیا ہیں؟ اور اس پر کیا اعتراضات کیے جاتے ہیں ؟ جہاد کیا ہے اور اس کے احکام کیا ہیں؟ ذمیوں کے کیا حقوق ہیں؟ اسلامی ریاست کے بین الاقوامی تعلقات کی نوعیت کیا ہے؟ غیر مسلموں سے عدم تعلق کی ہدایات کا صحیح پس منظر کیا ہے؟ یہ چند ایسے اہم مسائل ہیں جن کا جدید ذہن اطمینان بخش جواب چاہتا ہے۔

کتاب میں اس نوع کے تمام مباحث پر قرآن وحدیث کی روشنی میں اور مستند مفسرین، محدثین اور فقہاء کے حوالوں کے ساتھ عالمانہ اظہار خیال کیا گیا ہے۔ ہندوستان کے پس منظر میں اس کی خصوصی اہمیت ہے اور دعوت و تبلیغ کے میدان میں کام کرنے والوں کی بھی یہ ایک اہم ضرورت ہے۔

مصنف کی نظر ثانی کے بعد جدید ایڈیشن، آفسیٹ کی حسین طباعت، عمدہ کاغذ، خوب صورت جلد، صفحات: ۳۲۰، قیمت: ؍۱۸۵ روپے

تحقیق و تنقید

شبلی کی سیرت نگاری کا تنقیدی جائزہ

پروفیسر محمد انس حسان

مولانا شبلی نعمانی مئی ۱۸۵۷ء میں شہر اعظم گڑھ کے نواحی گاؤں بندول کے ایک متمول گھرانے میں پیدا ہوئے۔ نعمانی کی نسبت امام ابو حنیفہ نعمان بن ثابتؒ کی جانب ہے۔ والد ماجد کا نام شیخ حبیب اللہ تھا، جو اعظم گڑھ کے کام یاب وکیل تھے۔ شبلی کی تعلیم چھ برس کی عمر میں شروع ہوئی اور اگر چہ ایک لحاظ سے اخذِ علوم کا سلسلہ تمام عمر جاری رہا، لیکن ۱۸۷۶ء میں، جب وہ حج کی غرض سے روانہ ہوئے، ان کی رسمی تعلیم کا خاتمہ ہو گیا۔ ۱؎

شبلی نے اپنے دور کے مایہ ناز علماء سے معقولات و منقولات کا علم حاصل کیا۔ ان کے اساتذہ میں مولانا محمد فاروق چریا کوٹی، مولانا ارشاد حسین مجددی خیر آبادی، مولانا فیض الحسن سہارن پوری جیسے جید علماء شامل ہیں۔ شبلی میں شروع سے شاعرانہ اور ادیبانہ ذوق تھا۔ ان کی اس فطری صلاحیت کو ان کے استاد مولانا محمد فاروق چریا کوٹی نے جلا بخشی۔ بعد ازاں انھوں نے وکالت کا امتحان پاس کیا اور کچھ عرصہ وکالت بھی کی، تاہم زیادہ عرصہ یہ شغل جاری نہ رہ سکا۔ ۱۸۸۳ء میں وہ علی گڑھ کالج میں تدریسی خدمات انجام دینے لگے۔ سر سید احمد خان ان کے کمالاتِ علمیہ کے معترف اور شبلی بھی ان کے انتہائی معتقد تھے۔ سر سید کی وفات کے بعد ۱۸۹۸ء میں انھوں نے کالج سے استعفیٰ دے دیا۔ اس کے بعد کافی عرصہ ان کا تعلق ندوۃ العلماء لکھنو سے رہا۔ یہاں انھوں نے اہلِ علم کی ایک جماعت پیدا کی، جس نے تحقیق و تصنیف میں اپنا نمایاں کردار ادا کیا۔ اس تمام عرصہ میں انھوں نے

تصنیفی سلسلہ بھی جاری رکھا اور دو درجن کے قریب انتہائی محققانہ اور عالمانہ کتب تصنیف کیں۔ ان کی سب سے آخری اور اہم تصنیف 'سیرۃ النبی' زیرِ تالیف تھی، کچھ اجزاء تیار ہو چکے تھے، کچھ باقی تھے کہ پندرہ روز کی علالت کے بعد ۱۸ نومبر ۱۹۱۴ء مطابق ۲۸/ذی الحجہ ۱۳۳۲ھ کو صبح کے وقت وفات پائی۔ ۲

نبی کریم ﷺ کی ذات بابرکات سے شبلی کو شعوری اور فطری محبت تھی۔ علی گڑھ میں قیام کے دوران 'بدء الاسلام' کے نام سے ایک مختصر رسالہ لکھا، جو سیرت نگاری میں ان کی پہلی کوشش تھی۔ یہ سلسلہ جاری رہا اور قیامِ حیدر آباد کے دوران انہوں نے سیرت نبوی پر باقاعدہ کتاب لکھنی شروع کی، مگر اس کو پایۂ تکمیل تک نہیں پہنچا پائے۔ ان کے اس غیر مطبوعہ مسودۂ سیرت سے متعلق شیخ عطاء اللہ لکھتے ہیں:

> ''دورانِ قیام حیدر آباد میں مولانا نے سیرۃ لکھنا شروع کی اور تین ہجری تک کے واقعات قلم بند بھی کر لیے، لیکن اس کا تذکرہ کبھی کسی سے نہیں کیا۔ اربابِ نظر کا کہنا ہے کہ یہ مسودہ، جواب بھی دار المصنفین میں موجود ہے، مولانا کے معیار پر پورا نہیں اترا اور ادھورا چھوڑ دیا گیا''۔ ۳

مولانا شبلی کے اس غیر مطبوعہ مسودہ کا جائزہ لینے کی ضرورت ہے، تا کہ سیرت نبوی سے ان کے ابتدائی رجحانات کا پتہ چل سکے۔ بہر حال سیرت پر ان کے قلم اٹھانے کا باعث یہ ہوا کہ ۱۹۰۵ء میں آکسفورڈ کے پروفیسر مارگولیتھ (۱۸۵۸ء-۱۹۴۰ء) نے محمد ﷺ کے زیر عنوان ایک کتاب لکھی، جس میں نبی کریم ﷺ کی شخصیت کو مسخ کرنے کی کوشش کی گئی تھی۔ اس کتاب نے شبلی کو بے چین کر دیا، جس طرح سر سید احمد خان (۱۸۱۷ء-۱۸۹۸ء) کو ولیم میور (۱۸۱۹ئ-۱۹۰۵ء) کی کتاب 'دی لائف آف محمد' نے بے چین کر دیا تھا۔ ۱۹۰۶ء میں شبلی، مولانا محمد علی جوہر (۱۸۷۸ئ-۱۹۳۱ئ) کی دعوت پر بڑودہ پہنچے تو انہوں نے شبلی کو اس کتاب کا جواب دینے پر ابھارا۔ شبلی خود یہ چاہتے تھے کہ مستشرقین کی فریب کاریوں اور غلط

بیانیوں کا جواب دیں، لیکن اس خواہش کی تکمیل کے لیے انہیں مزید چھ (۶) سال کا عرصہ لگ گیا۔ چنانچہ انہوں نے ۱۹۱۲ء میں سیرتِ نبوی پر ایک محققانہ کتاب لکھنے کا اعلان کر دیا۔ وہ اس بات سے بھی بہ خوبی آگاہ تھے کہ اس کام کے لیے کثیر وسائل درکار ہوں گے۔ چنانچہ انہوں نے قوم سے اپیل کی کہ ان کی پچاس ہزار روپے یک مشت اور دوسو روپے ماہوار کی مالی معاونت کی جائے۔ اس اعلان پر قوم نے لبیک کہا اور ان کی مطلوب مالی اعانت کے علاوہ کتب قدیمہ وجدیدہ کے ذریعہ ان کی مدد بھی کی۔ ڈاکٹر انور محمود خالد لکھتے ہیں:

> ''عطیہ کا اعلان شائع ہوتے ہی مسلمانوں نے انفرادی طور پر چندے بھیجنا شروع کیے، لیکن منشی محمد امین زبیری کی ترغیب پر نواب سلطان جہاں بیگم والی بھوپال نے دو برس کے لیے دوسو روپیہ ماہوار دینے پر آمادگی ظاہر کی اور ان کے بیٹے نواب زادہ حمید اللہ خان نے کتابوں کی خریداری کے لیے دو ہزار روپے الگ دیے۔ دوسال کا ابتدائی وظیفہ ختم ہونے کے بعد وظیفہ تاتکمیل سیرت نبوی بڑھا دیا گیا''۔ ۴ؔ

مولانا کو مصارف کی طرف سے اطمینان نصیب ہوا اور انہوں نے لکھا:

مصارف کی طرف سے مطمئن ہوں میں بہرصورت
کہ ابر فیض سلطان جہاں بیگم زرافشاں ہے
رہی تالیف و تنقید روایت ہائے تاریخی
تو اس کے واسطے حاضر مرا دل ہے مری جان ہے

مسایلِ وسائل پر قابو پانے کے بعد مولانا نے کام شروع کیا۔ ۱۶ر جون ۱۹۱۲ء کے ایک خط سے معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے ۱۳ جون ۱۹۱۲ء سے باقاعدہ کام شروع کر دیا تھا۔ ان کے خطوط سے یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ ۳۱ر مارچ ۱۹۱۳ء تک مسودہ 'فتح مکہ' اور 'غزوہ حنین' تک پہنچ چکا تھا۔ اکتوبر ۱۹۱۳ء میں پہلی جلد کا مسودہ تیار ہو گیا تو اس کی نظر ثانی مولانا عبید اللہ سندھی (۱۸۱۲ئ۔ ۱۹۴۴ئ) نے کی۔ ۵ؔ

مولانا شبلی نے کام کے آغاز سے پہلے اپنے معاونین کی ایک جماعت تیار

کی، جن سے عربی، انگریزی اور دیگر یورپی زبانوں میں لکھی جانے والی کتبِ سیرت کے منتخب عنوانات کے تراجم اور خلاصے تیار کروائے گئے۔ ان معاونین میں کون لوگ شامل تھے؟ اس حوالہ سے ڈاکٹر انور محمود خالد لکھتے ہیں:

> ''جن لوگوں نے اس کام میں وقتاً فوقتاً مولانا شبلی کی معاونت کی، ان میں سید سلیمان ندوی، عبدالماجد دریا بادی اور عبدالسلام ندوی نے تو باقاعدہ اسٹاف کی حیثیت سے کام کیا، لیکن ان کے علاوہ مولانا شیروانی، شیخ عبدالقادر، مہدی افادی، جنید (اپنے بھائی)، سید نواب علی اور مولانا حمید الدین فراہی سے خط و کتابت کے ذریعے مدد لیتے رہے''۔٦؎

سیرت النبی کی پہلی جلد مکمل ہوجانے کے بعد مولانا کو اس کی طباعت کی فکر لاحق ہوئی۔ اس سلسلے میں مولانا ابوالکلام آزاد (۱۸۸۸ئ۔۱۹۵۸ئ) اور سید سلیمان ندوی (۱۸۸۴ئ۔۱۹۵۳ئ) سے مشورہ کیا تو دونوں نے ٹائپ میں چھاپنے کا مشورہ دیا۔ چنانچہ مولانا آزاد کے 'الہلال' میں مقدمہ کے ابتدائی چار صفحات شائع ہوئے تو مخالفین نے آسمان سر پر اٹھالیا۔ شیخ عطاء اللہ لکھتے ہیں:

> ''نمونہ الہلال میں چھپا تو مخالفین نے آسمان سر پر اٹھالیا۔ بیگم بھوپال کے پاس شکایتیں پہنچیں''۔۷؎

تاہم مولانا نے ہمت نہیں ہاری اور کام کو مسلسل جاری رکھا۔ اکتوبر ۱۹۱۴ء میں وہ اپنے بھائی کے انتقال پر اعظم گڑھ لوٹ آئے۔ ان کو بھائی کے انتقال کا بڑا صدمہ تھا۔ ان کی اپنی صحت بھی اب بالکل جواب دے رہی تھی اور سیرت النبی کا کام مکمل ہوتا نظر نہیں آرہا تھا۔ وہ مولانا حمیدالدین فراہی (۱۸۶۳ئ۔۱۹۳۰ئ) کو ایک خط میں لکھتے ہیں:

> ''سیرت پوری نہ ہوسکی اور کوئی نظر نہیں آتا کہ اس کام کو پورا کرسکے''۔۸؎

مولانا کو اپنی علالت اور مرضِ وفات میں بھی سیرت کی تکمیل کی فکر تھی۔

چنانچہ انتقال سے کچھ روز قبل سیرت کے مسودے اور اس کے متعلقات کو ایک الماری میں رکھوا دیا تھا اور تاکید کی تھی کہ:

> "یہ مسودے حمید الدین (فراہی) اور سید سلیمان (ندوی) کے سپرد کیے جائیں۔ ان دو کے سوا کسی اور کو ہرگز نہ دیے جائیں"۔۹؎

جب حالت نازک ہوگئی تو انہوں نے ۱۰ر نومبر ۱۹۱۴ء کو مولانا ابو الکلام آزاد، مولانا حمید الدین فراہی اور مولانا سید سلیمان ندوی کو فرداً فرداً تار بھجوائے کہ ان سے آکر مل لیں۔ سید سلیمان ندوی تار پہنچنے سے پہلے ہی بہ غرضِ عیادت تشریف لائے تو یہ سعادت ان کے حصے میں آئی کہ وہ سیرت کی تکمیل کر کے اپنے استاد کے خواب کو شرمندۂ تعبیر کریں۔ اس آخری ملاقات کی روداد سید سلیمان ندوی ان الفاظ میں بیان کرتے ہیں:

> "میرا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے کر فرمایا: سیرت میری تمام عمر کی کمائی ہے۔ سب کام چھوڑ کر سیرت تیار کرو۔ میں نے بھرّائی ہوئی آواز میں کہا: "ضرور ضرور" ــــ زبان مبارک سے تین مرتبہ سیرت، سیرت، سیرت کہا اور پھر انگلی سے لکھنے کا اشارہ کر کے کہا: سب کام چھوڑ کے"۔۱۰؎

سیرت النبی کی پہلی جلد مولانا کے انتقال کے چار (۴) سال بعد یعنی ۱۹۱۸ء میں شائع ہوئی۔ اس کے بعد اس کے باقی اجزاء کی تکمیل مولانا سید سلیمان ندوی نے کی۔ چنانچہ دوسری جلد ۱۹۲۰ء تیسری جلد ۱۹۲۴ئ، چوتھی جلد ۱۹۳۲ء، پانچویں جلد ۱۹۳۵ء، چھٹی جلد ۱۹۳۸ء اور ساتویں جلد بیالیس (۴۲) سال کے طویل وقفے کے بعد ۱۹۸۰ء میں شائع ہوئی۔

شبلی کی سیرت نگاری کی خصوصیات و امتیازات

شبلی اور ان کی کتاب 'سیرۃ النبی' کے اس مختصر تعارف کے بعد اب مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ان کی سیرت نگاری کی خصوصیات و امتیازات پر روشنی ڈالی جائے۔

(ا) سیرت نگاری کے اصول

شبلی کی سیرۃ النبی کی ایک خصوصیت یہ ہے کہ انھوں نے سیرت نگاری کے اصول متعین کیے ہیں اور فنِ سیرت نگاری کو نئے سرے سے ترتیب دیا ہے۔ اس سلسلے میں انہوں نے کتاب کے آغاز میں ایک انتہائی جامع اور محققانہ مقدمہ لکھا، جس میں سیرت کے مواد کے روایتی و درایتی معیار پر بڑی شان دار بحث کی ہے۔ ڈاکٹر سید عبداللہ لکھتے ہیں: ''سیرۃ النبی کا مقدمہ عالمانہ تنقید کا شاہ کار ہے''۔ ۱۱؎
مزید لکھتے ہیں:

> ''اس میں واقعات کی تعیین سیرت کی تمام قدیم ادبیات کی چھان بین کے بعد درایت کے جدید اصولوں کے مطابق ہوئی ہے۔ مصنف نے قدیم اور جدید دونوں سے استفادہ کیا ہے''۔ ۱۲؎

مولانا شبلی نے سیرت کی تالیف کے ضمن میں جن اصولوں کو مدنظر رکھا ہے ان میں سے چند اہم اصول درج ذیل ہیں۔

(الف) قرآن کریم سے استدلال

سیرۃ النبی میں قرآن کریم سے خوب استفادہ کیا گیا ہے اور سیرت کے ضمن میں قرآنی آیات سے جا بہ جا استدلال کیا گیا ہے۔ اس سلسلے میں مولانا شبلی خود لکھتے ہیں:

> ''(میں نے) سیرت کے واقعات کے متعلق جو کچھ قرآن مجید میں مذکور ہے، اس کو سب پر مقدم رکھا ہے''۔ ۱۳؎

(ب) احادیثِ صحیحہ سے استناد

سیرت النبی کی دوسری خصوصیت یہ ہے کہ اس میں محدثانہ اسلوب کی جھلک واضح طور پر نظر آتی ہے۔ چوں کہ سیرت نگاری میں احادیثِ مبارکہ کا بڑا اہم کردار ہے، اس لیے مولانا نے ان سے بھی استفادہ کیا ہے۔ وہ اپنے پیش رو سیرت نگاروں کے برخلاف احادیثِ صحیحہ کو روایاتِ سیرت پر ترجیح دیتے ہیں۔ چنانچہ لکھتے ہیں:

''قرآنِ مجید کے بعد حدیث کا درجہ ہے اور احادیثِ صحیحہ کے سامنے سیرت کی روایتیں نظر انداز کر دی ہیں۔ جو واقعات بخاری و مسلم میں مذکور ہیں ان کے مقابلے میں سیرت یا تاریخ کی کوئی ضرورت نہیں''۔۱۴؎

ایک اور جگہ لکھتے ہیں:

''سیرت کی روایتیں بہ اعتبار پایۂ صحت احادیث کی روایتوں سے فروتر ہیں۔ اس لیے بہ صورتِ اختلاف احادیث کی روایات کو ہمیشہ ترجیح دی جائے گی''۔۱۵؎

(ج) راویانِ سیرت کا معیار

راویان سیرت کے معاملے میں مولانا نے خوب تحقیق و تنقید سے کام لیا ہے۔ ان کے نزدیک اگر احادیث میں اختلاف ہو تو راویانِ عقل و ہوش کی روایات کو ترجیح حاصل ہوگی۔ چنانچہ لکھتے ہیں:

''بہ صورتِ اختلافِ روایات احادیث، رواۃِ ارباب فقہ و ہوش کی روایات کو دوسروں پر ترجیح ہوگی''۔۱۶؎

مولانا شبلی نے سیرت النبی کے مقدمہ میں راویانِ سیرت کا ایک نقشہ مرتب کیا ہے، جس میں متعدد کتب اسماء الرجال سے استفادہ کرتے ہوئے ان کے مختصر حالات اور روایت میں ان کے درجہ پر روشنی ڈالی ہے۔ انھوں نے واقدی پر کڑی تنقید کی ہے۔ راقم کے نزدیک اردو سیرت نگاروں میں واقدی پر اس قدر سخت تنقید شاید کسی اور نے نہیں کی۔

(د) روایات کی عقلی و درایتی جانچ

مولانا شبلی علم معقولات کے زبردست عالم تھے۔ ان کے اس ذوق کی چھاپ 'سیرۃ النبی' پر بھی واضح طور سے محسوس کی جاسکتی ہے۔ ان کے نزدیک واقعاتِ سیرت

کوعقلی ودرایتی معیار پر پرکھنے کی ضرورت ہے۔ چنانچہ وہ لکھتے ہیں:

"کتب سیرت محتاجِ تنقیح ہیں اور ان کی روایات و اسناد کی تنقید لازم ہے"۔ ۱۷؎

مزید لکھتے ہیں:

"جو روایت عام وجوہِ عقلی، مشاہدۂ عام، اصولِ مسلّمہ اور قرائن حال کے خلاف ہوگی، لائق حجت نہ ہوگی"۔ ۱۸؎

تاہم موضوع کی اہمیت کے اعتبار سے وہ اخبار آحاد کو بھی قبول کرلیتے ہیں۔ لکھتے ہیں:

"روایاتِ آحاد کو موضوع کی اہمیت اور قراینِ حال کی مطابقت کے لحاظ سے قبول کرنا چاہیے"۔ ۱۹؎

(ہ) واقعات کے اسباب وعلل کا ذکر

شبلی اسباب وعلل کی تلاش کے قائل ہیں، تاہم وہ یورپ کے طریقِ اسباب و علل کی دوراز کار بحثوں کو غیر معتدل اور خودغرضی پر محمول کرتے ہیں۔ اس تعلق سے وہ لکھتے ہیں:

"یورپین مورخ ہر واقعہ کی علت تلاش کرتا ہے اور انتہائی دور دراز قیاسات اور احتمالات سے سلسلۂ معلومات پیدا کرتا ہے۔ اس میں بہت کچھ اس کی خودغرضی اور خاص مطمح نظر کو دخل ہوتا ہے ----- بہ خلاف اس کے اسلامی مؤرخ نہایت سچائی اور خالص بے طرف داری سے واقعات کو ڈھونڈتا ہے۔ اس کو اس سے کچھ غرض نہیں ہوتی کہ واقعات کا اثر اس کے مذہب پر، معتقدات پر اور تاریخ پر کیا پڑے گا"۔ ۲۰؎

(۲) عمدہ اسلوبِ بیان

شبلی کا اسلوب پختہ اور عالمانہ ہونے کے باوجود سادہ اور دل کش ہے۔

اس میں قوت ، جوش ،خود اعتمادی ، برتری ، صلابت ،متانت ،ایجاز و اختصار ،چستی ، برجستگی ، بے ساختگی اور شعریت پائی جاتی ہے۔۲۱؎ چوں کہ یہ ان کی آخری کتاب ہے اس لیے یہ ان کے کمالاتِ علمیہ کی جامع اور ادبی صفات سے مالا مال ہے۔ اسلوبِ بیان کے حوالہ سے ڈاکٹر انور محمود خالد نے لکھا ہے:

> ''ان کا اسلوبِ بیان اتنا دل کش ہے کہ تاریخ وسیر جیسے ٹھوس موضوعات کو بھی ادبی چاشنی سے لذت انگیز بنا دیتا ہے ۔ الفاظ کی موزونیت ،تراکیب اور جملوں کی موسیقیت نے شبلی کے اسلوبِ بیان میں جمالیاتی اقدار پیدا کیں اور سیرت کے مقدس موضوع نے اس میں رفعت وعظمت کا اضافہ کیا"۔ ۲۲؎

شبلی کے اسلوب کی چند خصوصیات درج ذیل ہیں:

(الف) ایجاز و اختصار

مولانا نے اسلوبِ بیان کو مؤثر بنانے کے لیے ایجاز و اختصار سے کام لیا ہے۔بعض اوقات ان کے اسلوب میں اطناب کا گمان گزرتا ہے،لیکن اگر غور کیا جائے تو اس میں بھی ایجاز و اختصار کا پہلو نظر آئے گا۔ مثال کے طور پر ان کی یہ عبارت ملاحظہ فرمائیں:

> ''کارکنانِ قضا و قدر کی بزم آرائیاں ، عناصر کی جدّت طرازیاں ، ماہ و خورشید کی فروغ انگیزیاں ، ابروباد کی تردستیاں ، عالمِ قدس کے انفاسِ پاک،توحیدِ ابراہیم ، جمالِ یوسف ، معجزطرازی موسیٰ ، جان نوازی مسیح سب اس لیے تھے کہ یہ متاع ہائے گراں شاہنشاہِ کونین ﷺ کے دربار میں کام آیے"۔ ۲۳؎

اس عبارت میں مولانا کا ایجاز و اختصار اپنے عروج پر ہے، جس نے اسلوبِ بیان کو انتہائی عمدہ بنا دیا ہے ۔ یہی بات اگر مولانا ابوالکلام آزاد جیسے اطناب پسند ادیب کو بیان کرنی ہوتی تو کئی صفحات درکار ہوتے۔

(ب) استعارات ومجازات

مولانا شبلی اپنی نثر کو عمدہ بنانے کے لیے تشبیہات کے بجائے استعارات و مجازات سے زیادہ کام لیتے ہیں۔ مثال کے طور پر یہ عبارت ملاحظہ ہو:

''تیروں کا مینہ برس رہا تھا، بارہ ہزار فوجیں ہوا ہوگئی تھیں، لیکن ایک پیکر مقدس پا بہ رجا تھا، جو تنہا ایک فوج، ایک ملک، ایک اقلیم، ایک عالم، بلکہ مجموعۂ کائنات تھا''۔ ۲۴؎

(ج) غیر ضروری جزئیات سے اجتناب

مولانا کی نثر کی ایک خصوصیت یہ بھی ہے کہ وہ غیر ضروری جزئیات حذف کر دیتے ہیں، لیکن اس خوبی سے کہ مقدرات ومحذوفات کی جانب اشارے برقرار رہتے ہیں۔ صلح حدیبیہ کے موقع پر حضرت علیؓ نے نبی کریم ﷺ کے کہنے کے باوجود 'محمد رسول اللہ' میں سے 'رسول اللہ' کونہیں مٹایا۔ اس پر شارحینِ حدیث نے بحث کی ہے کہ انھوں نے نبی کریم ﷺ کا کہنا کیوں نہیں مانا؟ اس مسئلہ کو شبلی نے صرف دو جملوں میں حل کر دیا ہے:

''حضرت علیؓ سے زیادہ کون فرماں گزار ہوسکتا تھا؟ لیکن عالمِ محبت میں ایسے مقامات بھی آتے ہیں، جہاں فرماں بری سے انکار کرنا پڑتا ہے''۔ ۲۵؎

(د) منطقیت واستدلال

مولانا کی نثر میں منطقیت اور استدلال کا وصف بھی پایا جاتا ہے۔ اسلوب ایسا عمدہ ہے کہ عقل فوراً تسلیم کر لیتی ہے۔ مثال کے طور پر یہ عبارت ملاحظہ فرمائیں:

''اگرچہ بارگاہ الٰہی سے فتح ونصرت کا وعدہ ہو چکا تھا۔ عناصرِ عالم آمادۂ مدد تھے۔ ملائکہ کی فوجیں ہم رکاب تھیں۔ تاہم عالمِ اسباب کے لحاظ سے آپ نے اصولِ جنگ کے مطابق فوجیں مرتب کیں''۔ ۲۶؎

(ہ) طنزِ ملیح کا استعمال

اسلوبِ بیان میں طنزیہ بیان بھی بعض اوقات قوت و تاثیر پیدا کر دیتا ہے۔ شبلی کے ہاں ہمیں یہ اسلوب بھی ملتا ہے۔ مثال کے طور پر ہجرتِ مدینہ کی رات جب کفار نے آپ ﷺ کے گھر کا محاصرہ کرلیا تو شبلی لکھتے ہیں:

> "اہلِ عرب زنانہ مکان کے اندر گھسنا معیوب سمجھتے تھے، اس لیے باہر ٹھہرے رہے کہ آں حضرت ﷺ نکلیں تو یہ فرض ادا کیا جائے"۔ ۲۷؎

(۳) مؤرخانہ شعور و آگہی

مولانا شبلی کے مؤرخانہ شعور و آگہی کے حوالہ سے ڈاکٹر ظفر احمد صدیقی لکھتے ہیں:

> "مولانا شبلی چوں کہ نہایت پختہ اور رچا ہوا تاریخی شعور رکھتے تھے اور تاریخ نگاری کے جدید اصول و آداب سے بھی پوری طرح واقف تھے، اس لیے انہوں نے تصنیفِ سیرت کے دوران اس ذوق سے پورا پورا فائدہ اٹھایا اور سیرۃ النبی کو سیرت کی قدیم کتابوں کے انداز میں لکھنے کے بجائے تاریخ نگاری کے نئے اصولوں کے مطابق تصنیف کیا"۔ ۲۸؎

مؤرخانہ شعور سے فائدہ اٹھاتے ہوئے شبلی نے سیرت کے عام واقعات سے بڑے گہرے اور اہم نتائج نکالے ہیں۔ چنانچہ انہوں نے اسباب و علل کی تلاش میں مؤرخانہ دیانت داری اور غیر جانب داری کو برقرار رکھا ہے۔ 'قریش کی مخالفت اور اس کے اسباب'، 'غزوۂ بدر'، 'غزوات پر دوبارہ نظر' جیسے عناوین کے تحت مولانا نے جو کچھ لکھا ہے اس سے ان کی دقیق نظری اور تاریخی فہم کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔

(۴) منفرد اسلوبِ تحریر

مولانا شبلی کی تحریر میں سلیقۂ ربط و ترتیب نے ایک خاص حسن پیدا کر دیا

ہے۔ ڈاکٹر ظفر احمد صدیقی لکھتے ہیں:

''مولانا شبلی کو قدرت نے تحریر وتصنیف کا ایک خاص سلیقہ ودیعت فرمایا تھا اور وہ اس خاص وصف میں اپنے تمام معاصرین کے درمیان ممتاز تھے۔ یہی وجہ ہے کہ ان کی تمام تصانیف میں عموماً اور سیرت النبی میں خصوصاً بے ربطی، انتشار اور بے ترتیبی کا شائبہ بھی نہیں گزرتا۔ سیرۃ النبی کا موازنہ اردو کی کسی بھی دوسری کتابِ سیرت سے کیا جائے تو مولانا کے سلیقۂ تحریر وتصنیف کا جادو سر چڑھ کر بولتا ہوا نظر آئے گا''۔ ۲۹؎

اس اندازِ تحریر کو سیرۃ النبی کی پہلی جلد میں 'مواخاۃ' کے ذیل میں بہ خوبی ملاحظہ کیا جاسکتا ہے۔

(۵) جامعیت وعلمیت

شبلی کی سیرت نگاری میں جامعیت وعلمیت کا وصف بخوبی دیکھا جاسکتا ہے۔ ان کے نقادوں نے بھی سیرۃ النبی کی جامعیت کا اعتراف کیا ہے۔ ڈاکٹر انور محمود خالد لکھتے ہیں:

''بیش تر نقادوں نے 'سیرۃ النبی' کو اپنے موضوع پر سب سے زیادہ مکمل اور جامع تصنیف قرار دیا ہے، بلکہ بعض نے تو یہ بھی کہا ہے کہ اس کا جواب دنیا کی کسی زبان میں نہیں ہے''۔ ۳۰؎

سیرت النبی کی جامعیت پر ڈاکٹر سید عبداللہ لکھتے ہیں:

''جامعیت اس کا وصف خاص ہے، جس میں اب تک کوئی اس کا مثیل نہیں ملتا''۔ ۳۱؎

اگرچہ ڈاکٹر سید علی شاہ 'سیرۃ النبی' کے اس وصف کو تسلیم نہیں کرتے ۳۲؎ تاہم ڈاکٹر انور محمود خالد نے ان کے اعتراضات کا محاکمہ کرتے ہوئے ان تمام شکوک و شبہات کو دور کردیا ہے جو سیرت کی جامعیت کے حوالے سے اٹھائے گئے ہیں۔

(۶) حکمت اور مصالح کا ذکر

شبلی کی سیرت نگاری کا ایک خاص وصف یہ بھی ہے کہ وہ سیرت کے ذیلی واقعات سے حِکَم و مصالح کا استخراج کرتے ہیں ۔ چنانچہ 'مواخاۃ' 'غزوات' اور 'تحویل قبلہ' کے ذیل میں انہوں نے انتہائی عمدہ نکات بیان کیے ہیں۔ اس سلسلے میں ڈاکٹر ظفر احمد صدیقی لکھتے ہیں:

> ''سیرۃ النبی کی انفرادیت کا ایک پہلو یہ بھی ہے کہ مولانا شبلی نے شاہ ولی اللہ دہلوی صاحب حجۃ اللہ البالغۃ کے انداز پر اسلامی تاریخ اور سیرت کے بعض واقعات کی حکمتیں اور مصلحتیں بھی بیان کی ہیں۔ سیرت کی قدیم کتابیں ان عنوانات اور مباحث سے خالی تھی''۔ ۳۳ے

(۷) مستشرقین کا محاکمہ

شبلی نے 'سیرۃ النبی' کی تالیف کا بنیادی مقصد ہی مستشرقین کے باطل افکار کا رد قرار دیا ہے۔ اگر چہ ان سے قبل مولانا محمد قاسم نانوتوی (۱۸۳۲ئ۔ ۱۸۸۰ء)، مولانا رحمت اللہ کیرانوی (۱۸۱۸ء ۔۱۸۹۱ء) اور سر سید احمد خان (۱۸۱۷ء ۔ ۱۸۹۸ئ) نے نبی کریم ﷺ کی ذات پر مستشرقین کے اعتراضات اور ان کے باطل افکار کا رد کرنے میں اپنا نمایاں کردار ادا کیا تھا، مگر شبلی کو یہ اعزاز حاصل ہے کہ وہ قدیم و جدید کا امتزاج تھے۔ ان کی یہ خصوصیت سیرت النبی میں بھی نظر آتی ہے۔ ایک طرف ان کے دلائل عالمانہ طرزِ اسلوب لیے ہوئے ہوتے ہیں تو دوسری طرف وہ عقل و درایت کا دامن بھی ہاتھ سے نہیں چھوڑتے۔

چوں کہ مستشرقین نے باقاعدہ ایک منظم سازش کے تحت سیرت نبوی پر اعتراضات کا سلسلہ شروع کر رکھا تھا اس لیے مولانا کے دردمند دل نے محسوس کیا کہ ان کے اعتراضات کا جائزہ لینے کی ضرورت ہے۔ چنانچہ وہ لکھتے ہیں:

> ''یہ واقعات تھے جنہوں نے مجھ کو بالآخر مجبور کیا اور میں نے سیرتِ

نبوی پر ایک مبسوط کتاب لکھنے کا ارادہ کرلیا"۔ ۳۴؎

مولانا کی خواہش تھی کہ مستشرقین کے اعتراضات پر سیرت کی ایک مکمل جلد ہو، مگر ان کی زندگی نے وفا نہ کی۔ بعد میں مولانا سید سلیمان ندوی نے بھی شاید اس کی ضرورت محسوس نہیں کی۔ اس کے باوجود مستشرقین کے اعتراضات سے متعلق مولانا کی تحریر کردہ سیرت میں کافی کچھ مواد آ گیا ہے۔ ڈاکٹر سید عبداللہ نے لکھا ہے:

"اس (سیرۃ النبی) میں مغربی سوانح نگاروں کے پھیلائے ہوئے وساوس اور مغالطوں پر نقد و جرح کر کے ان کے نام نہاد عقلی طریق کار کے پرخچے اڑائے گئے ہیں"۔ ۳۵؎

(الف) مستشرقین کے مآخذ اور اقسام

شبلی نے مستشرقین کی سینتیس (۳۷) کتب کی نشان دہی کی ہے، جو تالیف کے دوران ان کے پیشِ نظر رہیں۔

مستشرقین کو انھوں نے تین حصوں میں تقسیم کیا ہے:

(۱) وہ مستشرقین جو عربی زبان اور اصل مآخذ سے واقف نہیں۔ ان لوگوں کا سرمایۂ معلومات اوروں کی تصنیفات اور تراجم ہیں۔

(۲) وہ مستشرقین جو عربی زبان اور علم و ادب اور تاریخ و فلسفۂ اسلام کے بہت بڑے ماہر ہیں، لیکن مذہبی لٹریچر اور سیرت کے فن سے ناآشنا ہیں۔

(۳) وہ مستشرقین جنہوں نے خاص اسلامی اور مذہبی لٹریچر کا کافی مطالعہ کیا ہے، لیکن باوجود عربی دانی، کثرت مطالعہ، تفحّصِ کتب کے ان کا یہ حال ہے کہ

دیکھتا سب کچھ ہوں لیکن سوجھتا کچھ بھی نہیں۔ ۳۶؎

(ب) مستشرقین کے اعتراضات

دورانِ تالیفِ سیرت مولانا کے پیش نظر مستشرقین کے درج ذیل

اعتراضات تھے:

(۱) آں حضرت ﷺ کی مکی زندگی پیغمبرانہ اور مدنی زندگی بادشاہانہ تھی۔

(۲) کثرت ازواج اور میل الی النسائ۔

(۳) مذہب کی اشاعت جبرا ورزور سے۔

(۴) لونڈی غلام بنانے کی اجازت اور اس پر عمل۔

(۵) دنیا داروں کی سی حکمتِ عملی اور بہانہ جوئی۔ ۳۷؎

(ج) مستشرقین کے اعتراضات کی وجوہ

مستشرقین کے ان اعتراضات کی بڑی وجہ تو ان کا مذہبی اور سیاسی تعصب ہے، تاہم مولانا نے اس کے علاوہ بھی چند وجوہ کی طرف اشارہ کیا ہے۔ مثلاً سب سے بڑی وجہ یہ ہے کہ ان کا تمام تر سرمایۂ استناد صرف سیرت و تاریخ کی کتابیں ہیں۔ دوسری بڑی وجہ یہ ہے کہ یورپ کے اصولِ تنقیح شہادت اور ہمارے اصولِ تنقیح میں سخت اختلاف ہے۔ ۳۸؎

شبلی نے اپنی کتابِ سیرت میں مستشرقین کے ان اعتراضات کا محاکمہ کیا ہے۔ ڈاکٹر ظفر احمد صدیقی لکھتے ہیں:

> ''سیرۃ النبی کو دوسری کتبِ سیرت کے درمیان اس پہلو سے بھی امتیاز حاصل ہے کہ اس میں سیرت نبوی کے متعلق مستشرقینِ یورپ کے اعتراضات و اشکالات کے جواب دیے گئے اور نوجوان ذہنوں کی تسکین وتشفی کے سامان خاص طور پر بہم پہنچائے گئے ہیں''۔ ۳۹؎

(۸) عالمانہ طرزِ تخاطب

شبلی کی سیرت نگاری کی ایک خصوصیت ان کا عالمانہ طرزِ تخاطب بھی ہے۔ اس حوالہ سے ڈاکٹر ظفر احمد صدیقی لکھتے ہیں :

''سیرۃ النبی کی ایک خصوصیت ، جواس کتاب کے قاری کو متاثر کرتی ہے، وہ عالمانہ طرزِ تخاطب ہے۔ اس سے مراد یہ ہے کہ مولانا شبلی نے اس کتاب کو شروع سے آخر تک حوالوں سے مزین رکھا ہے۔ قرآن پاک کے علاوہ تفسیر، حدیث ، اصولِ حدیث، اسماء الرجال، تاریخ، سیرت اور مغازی کی اہم اور مشہور کتابوں کے حوالے اس کتاب میں جابجا ملیں گے''۔ ۴۰؎

شبلی کی سیرت نگاری کے نقائص اور خامیاں

شبلی کی سیرت نگاری کی ان خصوصیات کے ساتھ اس میں بعض ایسے نقائص اور خامیاں بھی پائی جاتی ہیں جن پر ان کے ناقدین نے خوب نقد کیا ہے۔ ذیل میں ان پر روشنی ڈالی جاتی ہے:

(۱) اپنے اصولوں سے بے اعتنائی

شبلی نے 'سیرت النبی' کے مقدمے میں سیرت نگاری کے جن اصولوں پر کتاب لکھنے کا اظہار کیا تھا، وہ خود ان اصولوں پر عمل نہیں کر پائے۔ انھوں نے دیگر سیرت نگاروں کے برعکس سیرت نگاری میں محدثانہ طرزِ اسلوب کی پیروی کرنے پر زور دیا ہے اور صحیح حدیث نہ ملنے کی صورت میں روایاتِ سیرت سے استفادہ کا اصول وضع کیا ہے۔ اگرچہ انھوں نے متعدد مقامات پر اس اصول پر عمل کرتے ہوئے احادیثِ صحیحہ کو روایاتِ سیرت پر ترجیح دی ہے، لیکن متعدد مقامات ایسے بھی ہیں جہاں اس اصول سے صرفِ نظر کیا گیا ہے۔ مثال کے طور پر' ایمان ابوطالب' ،'غزوۂ بنی المصطلق' ، حضرت جویریہؓ کا واقعہ، ریحانہؓ کا واقعہ، قتل کعب بن اشرف، سعد بن معاذؓ کا واقعہ، پیداوارِ خیبر کی تقسیم، قتل کنانہ بن ابی الحقیق، غزوۂ موتہ، غزوۂ حنین، وغیرہ مقامات پر انھوں نے احادیثِ صحیحہ کو نظر انداز کرتے ہوئے روایاتِ سیرت پر اعتماد کیا ہے۔ انھوں نے اسی پر اکتفا نہیں کیا، بلکہ بعض اوقات روایاتِ صحیحہ پر شدید

تنقید بھی کی ہے۔ ۴۲؎

راویانِ سیرت کے حوالے سے مولانا نے جو کڑے اصول متعین کیے ہیں ان کا وہ خود التزام نہیں کر پائے۔ مثال کے طور پر وہ واقدی کی شدید تنقیص کرتے ہیں اور ان کی روایاتِ سیرت کو قطعی اہمیت نہیں دیتے، مگر ان کے شاگرد ابن سعد کی روایات پر نہ صرف اعتماد کرتے ہیں، بلکہ ان کی تعریف میں رطب اللسان ہیں۔ وہ لکھتے ہیں:

> ''واقدی خود تو قابلِ ذکر نہیں، لیکن ان کے تلامذۂ خاص میں سے ابن سعد نے آں حضرت ﷺ اور صحابہ کے حالات میں ایسی جامع اور مفصل کتاب لکھی کہ آج تک اس کا جواب نہ ہو سکا''۔ ۴۳؎

شبلی واقدی کو ناقابلِ اعتماد قرار دیتے ہیں اور ان کے شاگرد ابن سعد پر اعتماد کرتے ہیں، لیکن انھوں نے سیرت النبی میں ایک بڑی تعداد ان روایات کی بھی شامل کر لی ہے جو ابن سعد نے براہِ راست واقدی سے لی ہیں۔ مثال کے طور مطعم بن عدی کے جوار کا واقعہ، قریش کی جانب سے رسول ﷺ کی ایذاء رسانیوں کا ذکر، ازدواج مطہرات کے مکانات کی سمت اور نبی کریم ﷺ کے قبائل عرب کے دورے، وغیرہ۔ ۴۴؎

اس کے علاوہ دیگر کئی راویانِ سیرت، جن پر شبلی نے بداعتمادی ظاہر کی ہے، ان کی روایات سے بھی انھوں نے اکتساب کیا ہے، حتیٰ کہ کئی مجہول رواۃ کی روایات بھی لی ہیں۔

(۲) غیر مستند مآخذ و مصادر

مولانا نے سیرت النبی میں جو روایات ذکر کی ہیں، ان کو بنیادی طور پر تین حصوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے:

(الف) وہ روایات جن کا ماخذ احادیث ہیں۔

(ب) وہ روایات جن کا ماخذ سیرت و تاریخ کی کتب ہیں۔

(ج) وہ روایات جو بغیر حوالے کے نقل کی گئی ہیں۔

ڈاکٹر انور محمود خالد نے سیرۃ النبی کے مآخذ کے حوالے سے لکھا ہے:

''سیرۃ النبی کی تالیف میں جن کتابوں سے مدد لی گئی ہے، اگر ان سب کے حوالے جمع کیے جائیں تو بذات خود ایک چھوٹی سی کتاب بن سکتی ہے۔۔۔۔ اگر پوری کتاب کے مآخذ پر نظر ڈالی جائے تو کتبِ حوالہ کا ایک سمندر آنکھوں کے سامنے ٹھاٹھیں مارنے لگتا ہے''۔۴۵؎ لیکن ڈاکٹر ظفر احمد صدیقی نے ان کے اس قول کی تردید کی ہے۔ انہوں نے ایک گوشوارہ مرتب کیا ہے جس میں 'سیرۃ النبی' کے تمام حوالہ جات کی بڑی جامع تفصیل دی ہے۔ ان کے بقول 'سیرۃ النبی' کے بنیادی مآخذ نو کتابیں ہیں، جن کے حوالے سب سے زیادہ ہیں۔ ان نو کتب میں 'سیرۃ النبی' کے حوالہ جات کا تناسب درج ذیل ہے:

(۱) صحیح بخاری (۲۷۰) (۲) ابوداود (۱۲۵) (۳) طبقات ابن سعد (۱۱۴) (۴) تاریخ طبری (۸۷) (۵) صحیح مسلم (۸۲) (۶) سیرت ابن ہشام (۶۵) (۷) زرقانی (۱۵۸) (۸) مسند احمد بن حنبل (۵۰) (۹) الاصابۃ (۴۲)۔ سیرت النبی میں حدیث کے مجموعی طور پر ۶۱۴ اور کتبِ سیرت و تاریخ کے مجموعی طور پر ۴۲۸ حوالہ جات مذکور ہیں۔ اس تفصیل سے ڈاکٹر ظفر احمد صدیقی نے یہ نتیجہ اخذ کیا ہے:

> ''اس کتاب میں مذکور وہ روایات و واقعات، جنہیں کسی حوالے کے بغیر داخلِ کتاب کرلیا گیا ہے اور جو بالعموم کتبِ سیرت ہی سے ماخوذ ہیں، اگر ان کے اعداد و شمار کو بھی کتب سیرت و تاریخ کے حوالوں میں شامل کرلیا جائے تو سیرۃ النبی میں مذکور کم مستند یا غیر مستند روایات کا تناسب پچاس فی صد تک پہنچ جائے گا''۔۴۶؎

(۳) تضاد و تناقض

سیرت النبی کے مطالعہ کے دوران متعدد مقامات پر تضاد کا احساس بھی ہوتا ہے۔

(الف) بعض اوقات شبلی اپنی کہی ہوئی بات کے برعکس بات کہہ جاتے ہیں۔اس کی مثال مراسیلِ صحابہ کی حجیت اور عدم حجیت کا مسئلہ ہے۔ ۴۷؎

(ب) بعض اوقات وہ روایاتِ صحیحہ اور روایاتِ سیرت میں جمع وتطبیق کرتے ہیں، مگر اکثر جگہ اس کے بالکل برعکس کرتے ہیں۔ ۴۸؎

(ج) بعض اوقات روایات کا کچھ حصہ ان کے نزدیک معتبر اور کچھ حصہ غیر معتبر ہوتا ہے، مثال کے طور پر عبداللہ بن خطل کے سببِ قتل والی روایت۔ ۴۹؎

(د) خطبات واشعار کے ذیل میں بھی مولانا اسی تضاد کا شکار ہیں۔ کہیں ان پر تنقید کرتے ہیں اور کہیں آنکھیں بند کر کے انھیں قبول کر لیتے ہیں۔ مثال کے طور پر ابو طالب سے منسوب 'قصیدہ لامیہ' کو انھوں نے سرتا پا موضوع قرار دیا ہے۔ تاہم سید سلیمان ندوی نے حاشیہ میں اس کے کچھ اشعار کا بخاری ومسلم میں ہونا ثابت کیا ہے۔ ۵۰؎

(۴) تفرّدات اور جمہور کے مسلک کی مخالفت

سیرۃ النبی میں مولانا شبلی نے بعض مسائل میں جمہور سے ہٹ کر موقف اختیار کیا ہے۔ اگر ان کے اختیار کردہ موقف میں طاقت وتوازن ہوتا تو بڑی اچھی بات تھی، مگر حقیقت یہ ہے کہ ان کے اختیار کردہ موقف میں ضعف پایا جاتا ہے۔ مثال کے طور پر 'قربانی کی حقیقت' کے عنوان کے ذیل میں مولانا نے یہ جملہ لکھا ہے:

> ''حضرت ابراہیم علیہ السلام کو جو خواب دکھایا گیا تھا، اس سے مراد یہ تھی کہ بیٹے کو کعبے کی خدمت کے لیے نذر چڑھادیں''۔ ۵۱؎

یہ موقف نہ صرف جمہور کے خلاف ہے، بلکہ اس میں ضعف اور کمزوری بھی پائی جاتی ہے۔ اسی طرح غزوۂ بدر کے حوالہ سے جمہور محدثین اور اہلِ سیر اس پر متفق ہیں کہ نبی کریم ﷺ قریش کے قافلۂ تجارت سے تعرّض کے لیے نکلے تھے، مگر مولانا کا موقف یہ ہے کہ قافلۂ تجارت شام میں تھا اور ابوسفیان نے وہاں سے قریش کو حملے

کی اطلاع دی تھی ۔ چنانچہ مولانا نے لکھا ہے: ’’اس فیصلے میں عام مورخین اور اربابِ سیر میرے حریفِ مقابل ہیں‘‘ ۔ ۵۲؎

مولانا شبلی کے اس تفرد پر مولانا شبیر احمد عثمانی (۱۸۸۶ـ۱۹۴۹ئ) اور مولانا محمد ادریس کاندھلوی (۱۸۹۸ـ۱۹۸۲ئ) نے کڑی تنقید کی ہے۔ ۵۳؎ ڈاکٹر ظفر احمد صدیقی نے بھی اس پر تنقید کرتے ہوئے لکھا ہے:

> ’’غزوۂ بدر کے سلسلے میں مولانا کے موقف کی کم زوری اور ان کے ضعفِ استدلال کا ایک اہم پہلو یہ ہے کہ واقعات کی تعبیر کے سلسلے میں انہوں نے صریح و صحیح روایات سے مکمل طور پر صرفِ نظر کرلیا ہے اور محض قیاس کی بنیاد پر واقعے کی ایک شکل فرض کرلی ہے‘‘ ۔ ۵۴؎

اسی طرح حضرت ماریہ قبطیہؓ کے حوالہ سے مولانا کا موقف یہ ہے کہ آپؐ نے ان سے نکاح کیا تھا اور وہ آپؐ کی ازواجِ مطہرات میں سے تھیں۔ ۵۵؎ حالاں کہ یہ موقف جمہور کے مسلک کے خلاف ہے۔

(۵) نامناسب الفاظ کا استعمال

مولانا نے متعدد مقامات پر علماء کے لیے نامناسب الفاظ کا استعمال کیا ہے، جو ان کی علمیت اور ادبیت کے شایانِ شان نہیں ۔ مثال کے طور پر انھوں نے حافظ ابن حجر عسقلانیؒ کو ’روایت پرست‘ ۵۶؎ اور واقدی کو ’مشہور کذّاب اور دروغ گو‘ لکھا ہے ۔ ۵۷؎ اسی طرح بعض دیگر ائمہ کے لیے بھی نامناسب الفاظ استعمال کیے ہیں ۔

(۶) معذرت خواہانہ اور مدافعانہ انداز

اگرچہ ’سیرۃ النبی‘ کی تالیف کا بڑا مقصد مستشرقین کے اعتراضات کا ردّ و ابطال تھا، مگر مولانا شبلی نے کہیں کہیں مستشرقین کے جواب میں مدافعانہ اور معذرت خواہانہ رویہ اختیار کیا ہے۔ ڈاکٹر سید عبداللہ نے اس تعلق سے بجا طور پر لکھا ہے:

''سب سے پہلے تو یہ محسوس ہوتا ہے کہ اپنے بار بار کے دعوے کے باوجود بہت سے مقامات پر شبلی کی رائے معذرت خواہانہ اور مدافعانہ ہے ۔شبلی نے مورخینِ یورپ کے اعتراضات سے دب کر آں حضرت ﷺ کے غزوات کے سلسلے میں ضرورت سے کچھ زیادہ ہی معذرت کا لہجہ اختیار کیا ہے''۔ ۵۸؎

اور ڈاکٹر ظفر احمد صدیقی کا تجزیہ یہ ہے:

''ان کے بہت سے بیانات اصلیت سے دور جا پڑے ہیں ۔ انہوں نے جابجا مسلّمات سے اختلاف وانحراف بھی کیا ہے۔ بہت سی جگہ ان پر تاویل وتوجیہ اور معذرت کا انداز بھی غالب آ گیا ہے اور ان سب کی وجہ یہ ہوئی ہے کہ وہ عہد، جس میں یہ کتاب لکھی گئی ، یورپین اقوام کی سیاسی وتہذیبی بالادستی کا تھا'' ۔۵۹؎

مولانا کے معذرت خواہانہ اور مدافعانہ رویے کی مثالیں قربانی کی حقیقت، تعدّدِ ازواج ، کنیزوں سے تمتع ،جنگی پیش قدمی، تجارتی قافلوں کو لوٹنا،غزوات جیسے موضوعات ومسائل میں دیکھی جاسکتی ہیں ۔۶۰؎

خلاصۂ کلام

مولانا شبلی کی سیرت نگاری کے اس مطالعہ سے واضح ہوتا ہے کہ ان کی تصنیف 'سیرۃ النبی' جہاں اپنی خصوصیات کی بنا پر اہلِ علم کی توجہ کا مرکز رہی ہے، وہیں اس پر نقد وجرح بھی اہلِ علم کا موضوع رہا ہے۔شبلی کے انتقال کے چار (۴) سال بعد جب 'سیرۃ النبی' کی پہلی جلد شائع ہوئی تو اس کے بہت سے مقامات پر سب سے پہلے خود ان کے شاگرد رشید مولانا سید سلیمان ندوی نے نقد کیا،انھوں نے بہت سے عنوانات کا اضافہ کیا، متعدد مقامات پر حواشی میں ان کے تسامحات کی جانب اشارہ کیا، اصل مآخذ سے دوبارہ رجوع کیا۔شبلی کی 'سیرۃ النبی' پر نقدِ سلیمانی کے حوالے سے پروفیسر محمد یٰسین مظہر صدیقی نے ایک مضمون تحریر کیا ہے، جس کا عنوان ہے 'شبلی کی سیرت النبی کا مطالعہ: نقد سلیمانی

کی روشنی میں' ۶۱ ۔ اس میں موصوف نے انتہائی محنت سے ان تمام روایات اور مقامات کا تذکرہ کر دیا ہے جن میں ان دونوں کے اختلافات پائے جاتے ہیں۔ اسی طرح ڈاکٹر سید عبداللہ، ڈاکٹر ظفر احمد صدیقی، جناب عبدالحمید اور جناب یونس میو نے بھی ان پر نقد کیا ہے۔ ۶۲ ۔

اس کے باوجود یہ کہنا بے جا نہ ہوگا کہ مولانا شبلی کی سیرت النبی گزشتہ صدی میں سیرت نبوی پر لکھی جانے والی بہترین تصنیف ہے۔ میں اس بحث کو پروفیسر محمد یٰسین مظہر صدیقی کے اس بیان پر ختم کروں گا:

> "کم ازکم اردو اور عربی میں تقریباً ستر سال گزر جانے کے باوجود اس سے بہتر سیرت نبوی پر کوئی کتاب نہیں لکھی گئی۔ وہ اپنی تحقیق و تدقیق، ترتیب وتبویب، بحث وتمحیص، تنقید وتنقیح، زبان و بیان واسلوب واداا وران (سب) سے بڑھ کر تاریخی معیار سے ابھی تک 'اولین سیرت نبوی' ہے اور غالباً مدت تک اس پر کوئی اہم اضافہ نہیں کیا جاسکے گا"۔ ۶۳ ۔

حواشی ومراجع

۱۔ محمد اکرام، یادگار شبلی، ادارہ ثقافت اسلامیہ، لاہور، ۱۹۹۴ئ، ص ۱۳۱۔ ۴۷

۲۔ ندوی، سید سلیمان، یادرفتگاں، مجلس نشریات اسلام، کراچی، ۲۰۰۳ئ، ص ۲۹

۳۔ خان عبیداللہ خان (مرتب)، مقالات یوم شبلی، اردو مرکز، لاہور، ۱۹۶۱ئ، ص ۲۲۶۔

۴۔ انور محمود خالد، ڈاکٹر، اردو نثر میں سیرت نگاری، اقبال اکادمی، لاہور، ۱۹۸۹ئ، ص ۵۴۳،

۵۔ شبلی نعمانی، مکاتیب شبلی، نیشنل بک فاؤنڈیشن، لاہور، ۱۹۸۹ئ، ج ۱، ص ۲۳۸

۶۔ اردو نثر میں سیرت نگاری، ص ۵۴۴۔

۷۔ مقالات یوم شبلی، ص ۲۲۸۔

۸۔ مکاتیب شبلی، ج ۲، ص ۵۳۔

۹۔ ندوی، سید سلیمان، حیات شبلی، دارالمصنفین، اعظم گڑھ، ۱۹۷۰ئ، ص ۶۳

۱۰۔ حوالۂ سابق، ص ۲۳۷ تا ۲۵۷۔